اخلاق کی معاشرتی اہمیت اسلام کی نظر سے

*ڈاکٹر صفیہ آفتاب *محمود حسن

Abstract

Ethics and moral values are more significant than other behaviors and emotions at all world religions. There are two kind of ethics behind the action of a human being towards the practical life in any human society. Individual ethics and collective ethics.

In this article we focuses on both of them and described in the light of QUR'AN and SUNNAH. we differentiate also its shapes one from another, probed from recent history that an individually honest man can be seened to play un-ethical and hypocratic role under the shadow of so-called collective ethics or national interest.

*۔اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

*۔ریسرچ اسکالر، شعبہ اسلامک لرننگ، جامعہ کراچی

خُلُق لغت میں طبیعت اور عادت کو کہتے ہیں جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہو اور وہ انسان کے اندر راسخ ہو گئی ہو اور جس طرح انسان کی ظاہری صورت اور اوصاف ہوتے ہیں تو خُلُق حقیقت میں انسان کے اندرونی اور باطنی اوصاف کو کہتے ہیں دوسرے الفاظ میں اسے نفس بھی کہا جاتا ہے۔[۱]

لغوی تعریف کے اعتبار سے اچھے اور برے اخلاق میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ تعریف دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ کلام عرب میں جب کسی کے اخلاق کی تعریف کی جائے تو اس کے ساتھ تعریفی صفت ضرور استعمال ہو گی۔ جیسے حسن، کریم، جمیل وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو جس صفت اخلاق سے متصف فریا ہے وہ یوں ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

''بیشک آپ اخلاق کے بلند درجے پر ہیں''[۲]

اسلام میں اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جب ام المؤ منین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ''کان خلقہ القرآن'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن مجید ہے۔[۳]

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلی اخلاق و ملکات پر پیدا فرمایا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقصد عظیم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ''بعثت لاتمم حسنَ الاخلاق''

''مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے''[۴]

امام احمد کی روایت میں ''صالح الاخلاق'' کے الفاظ ہیں یعنی ''نیک اخلاق'' کی تکمیل کیلئے میری بعثت ہوئی ہے۔[۵] جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ لغوی اعتبار سے اچھے اور برے اخلاق کی تعریف ایک ہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ جس اخلاق کی تکمیل کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا اس کی وضاحت کر دی جائے کہ وہ اعلی، عظیم، اچھے اور صالح اخلاق ہیں۔

اسلام اچھے اخلاق کی طرف بلاتا ہے اور برے اخلاق و بداخلاقی سے روکتا ہے اور جس طرح عربی زبان میں اچھے اور برے اخلاق کی تعریف کی جاتی ہے اسی طرح اردو زبان میں بھی خوش اخلاقی و بداخلاقی کہا اور بولا جاتا ہے۔

اعلیٰ اور اچھے اخلاق کی جب بات کی جائے گی تو سب سے پہلے سچائی، جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سب سے پہلے سرکاری عام خطاب میں ایک امانت قرار دیا۔[۶] کا تذکرہ کیا جائے گا۔

سچ ایک ایسی صفت اور اخلاق ہے کہ بنی نوع انسان کا ہر سلیم الفطرت انسان اس صفت و اخلاق کی تعریف کرے گا اور اسے تسلیم کرے گا اور دنیا کے ہر فلسفے اور فکر میں سچ کی حیثیت اور اہمیت کو مانا اور تسلیم کیا گیا ہے یعنی انفرادی اور اجتماعی سطح پر سچ اور سچ بولنے کی تعریف کی جاتی ہے اور اس کی حیثیت اور اہمیت کو مانا جاتا ہے اس سے متصف انسان کو اعلیٰ اخلاقی اقدار رکھنے والا تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام سے زیادہ کون سچ اور سچائی کی بات کرنے والا ہو گا۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔

''اور اللہ سے سچی کس کی بات''[۷]

دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔

''اور اللہ سے سچا کون (ہے)''[۸]

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کی تعریف یوں کی گئی:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔

''اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا، بیشک وہ سچے نبی تھے''[۹]

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔

''اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا، بیشک وہ سچے نبی تھے''[۱۰]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۔

''اور ذکر اس کتاب میں اسماعیل کا بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور نبی تھے''(۱۱)

حضرت مریم علیہاالسلام کا ذکر ''صدیقہ'' کے لقب سے کیا گیا:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ۔

''نہیں ہے مسیح مریم کا بیٹا مگر رسول، گذر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اسکی ماں سچی (ولی) ہے''(۱۲)

اسی طرح ایمان والوں کو بھی سچائی کی طرف بلایا گیا اور سچ بولنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

''اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ رہو ''(۱۳)

سچائی کا ایک روپ سچی گواہی دینا ہے جس کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے اور یہ انسانی اخلاق کا ایک مضبوط ستون ہے۔ گواہی اور شہادت کو سچائی سے ادا کرنے کو اللہ کے لئے ادا کرنے کے الفاظ سے قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے:

وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔

''اور سیدھی ادا کرو گواہی اللہ کے واسطے''(۱۴)

دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ۔

''اے ایمان والو، قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا'' (۱۵)

معاشرہ تب تک بہترین اور صالح نہیں ہو سکتا جب تک اس معاشرے میں رہنے والے انسانوں کے درمیان ایسے روابط قائم نہ ہوں جو اعلیٰ اخلاق اور عدل پر مبنی ہوں جس سے وہ امن اور سلامتی سے زندگی گذار سکیں اور ان کے درمیان باہمی اعتماد و تعاون کی فضا پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب معاشرے میں رہنے والے انسان امین ہوں جو ذمہ داری ان کے ذمے ہو وہ درست طور پر ادا کریں۔ قرآن مجید سچی گواہی کو چھپانے کو ''گناہ اور ظلم'' سے تعبیر کرتا ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ۔

''اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اسکو چھپائے تو بیشک اس کا دل گنہگار ہے''(۱۶)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ۔

''اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے''(۱۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟ قلنا: بلى يا رسول الله! قال: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وكان متكئًا فجلس فقال: ألا وقول الزور ألا وشهادة الزور، فما زال يكررها حتى قلنا: ليته سكت.

''کیا میں تمہیں خبر نہ دوں بڑے گناہوں میں بھی بڑے کی؟ تین مرتبہ کہا۔ بولے کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے بیٹھے تو سیدھے ہو کر بیٹھے اور فرمایا خبردار، اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی اور بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بس کریں اور خاموش ہو جائیں''(۱۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب، بعثت سے پہلے ''صادق'' کے ساتھ ''امین'' کے نام اور وصف سے بھی جانتے تھے۔ امانت داری کی قرآن مجید میں تعریف کی گئی ہے بلکہ جو بھی اچھے اخلاق کسی انسان میں ہونے چاہیں ان سب کی اچھائی اور جو برے اخلاق اور وصف جو انسان میں نہ ہونے چاہئیں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ امانت، اور امانت داری ایک ایسا وصف ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خوب اچھائی بیان کی ہے اور ذمہ داریاں چاہے وہ کسی بھی میدان یا شعبے سے متعلق ہوں جو اس کے اہل ہوں ان کے حوالے کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔

''بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو''(۱۹)

اسی طرح امانت میں خیانت کی مذمت فرمائی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

''اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو، آپس کی امانتوں میں جان کر۔[۲۰]

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کی تعلیم و تبلیغ اور امت کے مجموعی مصالح و مقاصد میں کی جائیں۔[۲۱]

انفرادی اور اجتماعی سطح پر وعدوں اور معاہدوں کی اہمیت اور حیثیت تمام بنی نوع انسان کے ہاں مسلم ہے یہ ان اصولوں اور اخلاقیات میں سے ہے جن کی پاسداری کا درس ہر مذہب اور قوم دیتی نظر آئے گی۔ دین اسلام میں اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ وعدہ یا معاہدہ دو انسانوں کے درمیان ہو یا اجتماعی طور پر ہو دوستوں کے درمیان ہو، یا دشمنوں کے ساتھ ہو، اس کی پاسداری لازمی قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات اس طرف واضح اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔

''اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو''[۲۲]

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔

''اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد کی پوچھ ہو گی''[۲۳]

اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری آیات ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ترک کرتے ہیں۔

حدیث مبارک میں عہد و میثاق، وعدہ توڑنے اور امانت میں خیانت کرنے والے کو منافق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أتمن خان۔

''منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور اگر امانت اس کے حوالے ہو تو خیانت کرے''[۲۴]

اور ایک روایت میں ہے:

إذا عاهد غدر۔

''جب معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، توڑ دے'' [۲۵]

صلح حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح کی شرائط طے ہو گئیں تو ان شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مشرکین مکہ میں سے کوئی مدینہ چلا جائے چاہے مسلمان ہو کر ہی جائے تو اسے واپس کیا جائے گا۔

ابھی یہ شرائط لکھی جارہی تھیں تو سہیل بن عمرو جو کہ مشرکین مکہ کی طرف سے مذاکرات کرنے آئے تھے ان کا بیٹا ابو جندل وہاں کسی طریقے سے پہنچ گئے وہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کے والد نے انہیں زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا کسی طرح وہ قید سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اور حدیبیہ کے مقام تک پہنچے تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سب سے اول بات ہے جس کی آپ سے تقاضا کی جائے گی کہ آپ ان کو ہمیں واپس کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی صلح کی شرائط باقاعدہ طے ہو کر معاہدہ پورا نہیں ہوا، لیکن سہیل بن عمرو کے اڑ جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو مشرکین مکہ کو واپس کر دیا۔[۲۶] اور ابو جندل سے فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ سے اجر کی امید رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے کمزوروں کے لئے کوئی نہ کوئی خلاصی کا راستہ ضرور نکالیں گے۔[۲۷]

اس کے مقابلے میں مغربی اقوام خاص طور پر برطانوی استعماری حکومت جس نے برصغیر پر سیکڑوں سال حکومت کی، جس میں جن ریاستوں اور حکومتوں سے انہوں نے جو معاہدے کئے تو ان معاہدوں کی کتنی پاسداری کی اور ان کو اپنے ناپاک مقاصد کے لئے کس طریقے سے استعمال کیا۔ کمزوروں سے ان کا رویہ اور طریقہ کیا تھا اور طاقتوروں سے ان کا انداز کیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد، جماعتی عہد و پیمان اور برطانوی استعماری قابضین کے ان نام نہاد عہود و مواثیق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ جماعتوں کے معاہدوں کا ہے اور اس میں اس کی اصل آزمائش ہے۔۔۔ ایک انگریز یا فرنچ یا جرمن کی انفرادی زندگی کی سیرت، کیریکٹر دیکھو وہ اپنے وعدوں میں سچا اور اپنے قول و قرار میں بے داغ ہو گا۔۔۔ لیکن قومی اور سیاسی معاہدوں کی پابندی اس کی خود غرضانہ کام جوئیوں کی راہ میں حائل ہونے لگتی ہے تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ انفرادی سیرت اجتماعی بد عہدی کی راہ روک سکتی ہے؟ نہیں، بلکہ سب سے بڑا مدبر انسان وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عہد شکنیوں میں بیباک ہو۔

ہم صرف ہندستان کی گذشتہ دو صدیوں کی تاریخ ہی میں دیکھ لے سکتے ہیں کہ اس بارے میں انگریزی قوم کے جماعتی اخلاق کا معیار کیا رہا ہے؟ ہر معاہدہ جو طاقتور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ طاقتور رہا، معاہدہ تھا، ہر معاہدہ جو کمزور فریق

کے ساتھ کیا گیا اور وہ کمزور ہی رہا۔ معاہدہ نہ تھا۔ امی چند، میر جعفر، میر قاسم، شاہ عالم، راجہ چیت سنگھ، نواب فیض اللہ، سعادت علی خان، نظام علی خان، برار، جے پور، میران سندھ کے لئے معاہدے کچھ مفید نہ ہو سکے، لیکن حیدر علی، ہلکر اور رنجیت سنگھ کے معاہدوں کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا گیا۔ جماعتی معاہدے اگر پورے کئے جاتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ معاہدے ہیں اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے بلکہ اس لئے کہ طاقتور فریق سے کئے گئے ہیں اور ان کی شکست مفید ہونے کی جگہ مضر ہو گی۔(۲۸)

مولانا آزاد، کی یہ تحریر تو تقریباً ایک صدی قبل کی ہے لیکن آج بھی مغربی معاشرے اور ان کے افراد و حکومت کے یہی اخلاق و عادات ہیں۔ انفرادی طور پر بے داغ کیریکٹر کے حامل لیکن اجتماعی طور پر جہاں اپنے مفاد پر ضرب لگی وہاں وہ معاہدہ جو کہ کمزور سے کیا گیا ہو ہباء منثورا ہو جائے گا لیکن اگر طاقتور سے کیا گیا ہو تو اس کو مجبورا برقرار رکھا جائے گا۔ ہماری نظر مغرب کی انفرادی اخلاق و کیریکٹر پر رہتی ہے جب کہ ان کے اجتماعی اخلاق اور کیریکٹر سے نظر اوجھل رہتی ہے اور اجتماعی بدعہدی اور بے وفائی ظلم اور زیادتی کو جنم دیتی ہے جس کا شکار اس وقت دنیا کی مختلف اقوام، مغربی طاقتور اقوام کے ہاتھوں ہو رہی ہیں۔ دنیا میں عدل و انصاف کا فقدان اور ظلم و زیادتی کا راج ہے۔

جبکہ عدل و انصاف اعلیٰ اخلاقی وصف ہے جو کہ دین اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر معاشرے سے عدل و انصاف عنقا ہو جائے تو نہ وہ معاشرہ صالح معاشرہ بن سکتا ہے نہ ترقی کر سکتا ہے نہ ہی طویل عرصے تک قائم رہ سکتا ہے دین اسلام میں عدل و انصاف پر زور دیا گیا ہے اور اپنوں اور غیروں سبھی کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ-

''اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا''(۲۹)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى-

''اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہر گز نہ چھوڑو، عدل کرو۔ یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوی کے''(۳۰)

عدل کے معنی ہیں کسی بھی شخص کے ساتھ افراط و تفریط کے بغیر وہ معاملہ کرے جس کا وہ مستحق ہے۔ شدید محبت وعداوت بھی اس میں کوئی فرق نہ کر سکے۔ اور تقویٰ کہتے ہیں کہ جو چیزیں شرعاً مہلک یا کسی درجہ میں مضر ہوں اور ان سے بچنے رہنے سے ایک خاص نورانی کیفیت آدمی کے دل میں راسخ ہو جائے۔ تحصیل تقویٰ کے قریب وبعید اسباب بہت سے ہیں۔ تمام اعمال حسنہ کو اس کے حصول کے اسباب میں شمار کیا جاسکتا ہے، لیکن دوست ودشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات محبت وعداوت سے مغلوب نہ ہونا حصول تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ عدل و تقوی میں انتہائی گہرا تعلق ہے اور یہ دونوں باتیں انسان کی طبعیت میں اعلیٰ اخلاق کے رسوخ سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں، حدیث مبارکہ میں دل کو تقویٰ کا مکان اور مقام فرمایا گیا ہے:

التقوی ھاھنا، التقوی ھاھنا ویشیر إلی صدرہ۔

''تقوی یہاں ہے، تقوی یہاں ہے اور اشارہ فرمایا اپنے سینے کی طرف''(۳۱)

اللہ تعالیٰ انسان کی ظاہری صورت وشکل کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے دل کو دیکھتا ہے اس کے باطن کو دیکھتا ہے اور اس سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللہ لا یَنْظُرُ إِلی أَجْسامِکُم، وَلا إِلی صُوَرِکُمْ، وَلَکِنْ یَنْظُرُ إِلَی قُلُوبِکُمْ۔

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کی طرف نہیں دیکھتا اور نہ ہی تمہاری صورتوں کی طرف دیکھتا ہے،
بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے کاموں کی طرف دیکھتا ہے''(۳۲)

اعلی اخلاقوں میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک اور نیکی بھی شامل ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگانا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے توحید کے ساتھ متصل ذکر فرمایا ہے:

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾

''اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ان میں سے ایک یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی اور جھکا دے انکے آگے کندھے عاجزی کر کے نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا''(۳۳)

توحید الٰہی سے متصل والدین کے حقوق پر توجہ دلانے کی وجہ یہ ہے کہ والدین کی پرورش، ربوبیت الٰہی کا پرتو ہے۔ والدین کی خدمت اور اطاعت کی آزمائش کا اصل وقت ان کے بڑھاپے کا وقت ہے کیونکہ بڑھاپا انہیں دوسروں کا محتاج بنا دیتا ہے اور اولاد کو جوانیوں کی مستی میں والدین کی خبر گیری کی طرف توجہ کرنے کی بہت کم مہلت ملتی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

رغم أنفه، رغم أنفه، رغم أنفه، قيل من يا رسول الله ﷺ قال: من أدرك والديه عند الكبر أحدُهما أو كلاهما فلم يدخل الجنة۔

''ذلیل ہوا، ذلیل ہوا، ذلیل ہوا، کہا گیا کہ کون اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ کو پایا بڑھاپے میں ایک کو یا دونوں کو اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔(۳۴)

اسی طرح رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین وغیرہ سے نیک سلوک اچھے اخلاق کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات میں ان کے ساتھ اچھائی اور نیک سلوک کی ہدایت فرمائی ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔

''اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو، اس کا کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ قریب اور ہمسایہ اجنبی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ''(۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا، وقال يا صبعيه بالسبَّابة والوسطى۔

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور اپنے دونوں شہادت کی اور درمیانی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا''(۳۶)

کسی بھی شخص کو چاہے معاشرہ میں وہ کسی بھی حیثیت یا رتبے کا حامل کیوں نہ ہو حقیر و ذلیل سمجھنا خود اس شخص کے برے اور بد اخلاق ہونے کی علامت ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بحسب إمرىء من الشر أن يحقر أخاه المسلم۔

''کسی شخص کے برے ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے''(۳۷)

انسانوں میں بہترین انسان اس کو شمار کیا گیا ہے جو کہ اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو۔ فرمایا گیا ہے:

إن من خياركم احسنكم اخلاقا۔

''تم میں سے سب سے بہترین وہ ہے جو تم میں سے اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔(۳۸)

اور اچھے اخلاق سے بڑھ کر قیامت میں انسان کے نامہ اعمال میں اور کوئی بھی چیز بھاری نہیں ہو گی۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

ما من شيء يوزن في الميزان أثقل من حسن الخلق۔

''قیامت کے دن ترازو میں اچھے اخلاق سے بھاری کوئی چیز نہ ہو گی''(۳۹)

دوسروں کے لئے بھی وہ بات پسند کرنا جو کہ اپنے لئے پسند کرتا ہے ایمان کی علامت کہا گیا ہے:

لا يؤمن احدكم حتىٰ ما يحب لاخيه ما يحب لنفسه

''تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''(۴۰)

صرف ایک اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی عمل ہو تو انسان کو اعلی اخلاق کے حصول میں آسانی ہو جائے اور معاشرے سے بہت ساری خرابیاں دور ہو جائیں۔ انسان خود غرض ہو کر ہر قسم کی اچھائی فقط اپنے لئے حاصل کرنا

چاہتا ہے جس سے معاشرے میں فساد، نفرت اور لڑائی ہونا شروع ہوتی ہے اور ظلم و ناانصافی کا بازار گرم ہوتا ہے، لیکن اگر تمام حقداروں کو ان کا حق انصاف کے ساتھ ملے تو معاشرے سے ہر قسم کی نفرت، فساد اور بد حالی کا خاتمہ ممکن ہے۔ اسلام ایک ایسا ہی معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے کہ جس معاشرے کے تمام ارکان بہترین اخلاق کے ساتھ متصف ہوں ہر ایک اپنی ذمہ داری پوری طرح سرانجام دے اور ہر ایک کو اس کے حقوق پوری طرح عدل و انصاف کے ساتھ ملیں اور کسی پر بھی کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو اور جب معاشرے کے اکثر لوگ بہترین اخلاق کے حامل ہونگے من حیث الانفراد اور من حیث الاجتماع تو داخلی و خارجی دونوں محاذوں پر قوم اعلیٰ مدارج طے کرتی ہوئی ترقی کی اعلیٰ منزلوں کے طرف ہی رواں دواں ہو گی۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو رول ماڈل بنادیا جائے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

''تمہارے لئے مفید تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال''(۴۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی گواہی:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

''اور تو پیدا ہوا ہے، بڑے خلق پر''(۴۲)

احادیث مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی:

كَانَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھا واحسنہ خلقا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے صورت شکل میں خوبصورت تھے اور ان میں اخلاقاسب سے بہترین''(۴۳)

اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گواہی:

كَانَ خلقہ القرآن۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا''(۴۴)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر بہترین اخلاق کا مالک بننا چاہتا ہے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اپنانا ہوگا۔ اور وہ طریقہ ہے قرآن پر عمل کرنا کیونکہ اسلام کی تعلیمات کا سرچشمہ قرآن ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمانے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جاننے کے لئے قرآن پڑھنا چاہئیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ تمام کی تمام قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن کے کسی حکم کے خلاف کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہیں رہا۔ جو اللہ تعالیٰ کا حکم وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، اور یہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا عمل رہا ہے، جس کی انتہائی اور اعلیٰ شکل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا عمل بشمول خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی و تواضع رہا ہے جس کی ایک مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ جب ابتداء آفرینش میں آدم علیہ السلام سے بھول ہوگئی جسے اللہ تعالیٰ نے بھی نے بھی خطا نہیں بلکہ بھول سے تعبیر کیا ہے۔

فَنَسِیَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا۔

''پھر بھول گیا اور نہ پایا ہم نے اس میں مصمم ارادہ''(۴۵)

تنبیہ ہونے پر اپنی اس بھول کی وجہ سے جو غلطی ہوگئی اس پر نادم ہوتے ہوئے آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام دونوں بارگاہ الٰہی میں عاجزی کے ساتھ دست بدعاء ہوئے کہ:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۫ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ۔

''بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ''(۴۶)

اسی کو حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا کہ:

إن العبد اذا اعترف بذنبه ثم تاب تاب الله عليه۔

''بندہ جب اعتراف کرتا ہے غلطی کا اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے''(۴۷)

اس کے مقابلے میں شیطان نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جب اس سے پوچھا گیا ہو کہ تم نے حکم کیوں نہ مانا؟ تو اس نے عاجزی کی جگہ تکبر اختیار کیا اور جواب دیا:

قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۔

''بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے''(۴۸)

سو انسان کو چاہئے کہ اعلی ترین انسانوں کے طریقے کو اختیار کرے ان میں سے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز حیات اور انداز کو ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے ہم اگر اس کو اختیار کرتے ہیں تو یہ ہمارے دنیاوی اور اخروی سعادت اور کامیابی کی ضمانت ہو گا اور اگر شیطانی طریقہ اختیار کرتے ہیں تو رذیلہ اخلاق کے حامل ہو کر سعادت اخروی و ابدی سے محروم رہ جائیں گے۔ اور سعادت کے حصول کا طریقہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلتے ہوئے قوت بھیمیہ کی اصلاح کی جائے اور عقل، قوت بھیمیہ پر غالب و حاکم ہو جائے اور انسان بہترین اخلاق کا حامل ہو جائے اور ابدی و اخروی سعادت حاصل کر لے۔

حوالہ جات

۱۔القرآن،۶: ۴

۲۔ محمد مرتضیٰ الزبیدي،۱۳۰۷ھ،تاج العروس من جواھر القاموس،المطبعۃ الخیریۃ مصر، ۶: ۳۳۷

۳۔احمد بن محمد بن حنبل،۱۳۱۳ھ،المسند،المطبعۃ المیمنیۃ مصر، ۶: ۹۱

۴۔القرآن،۶: ۴

۵۔مالک بن انس الاصبحي،۱۹۹۷م،المؤطا،دار الغرب الاسلامی بیروت، باب ماجاء في حسن الخلق،۲: ۴۹۰

۶۔المسند، حوالہ بالا،۲: ۳۸۱

۷۔اسماعیل بن عمر ابن کثیر،ابوالفداء،۱۹۷۷م،البدایۃ والنھایۃ،مکتبۃ المعارف، بیروت،۵: ۲۴۸

۸۔القرآن،۴: ۸۷

۹۔ایضا،۴: ۱۲۲

۱۰۔ایضا،۱۹: ۴۱

۱۱۔ایضا،۱۹: ۵۶

۱۲۔ایضا،۱۹: ۵۴

۱۳۔ایضا،۵: ۷۵

۱۴۔ایضا،۹: ۱۱۹

۱۵۔ایضا،۶۵: ۲

۱۶۔ایضا،۴: ۱۳۵

۱۷۔ایضا،۲: ۲۸۳

۱۸۔ایضا،۲: ۱۴۰

۱۹۔ محمد بن اسماعیل البخاري،۱۹۳۶م الجامع الصحیح،مطبعۃ، مصطفیٰ البابي الحلبي،القاھرۃ، باب ماقیل في شھادۃ الزور، ۲: ۶۹

۲۰۔القرآن،۴: ۵۸

۲۱۔ایضا،۸: ۲۷

۲۲۔احمد ابوالکلام آزاد،۱۹۳۶م، ترجمان القرآن، مدینہ برقي پریس بجنور،۲: ۶۰

۲۳۔القرآن،۵: ۱

۲۴۔ایضا،۱۷: ۳۴

۲۵۔ مسلم بن حجاج القشيري، ۱۳۴۹ھ، الصحيح، مطبعة حجازي، القاهرة، باب بيان خصال المنافق، ۲: ۴۶
۲۶۔ الجامع الصحيح، حوالہ بالا، باب علامات المنافق، ۱: ۱۳
۲۷۔ الدکتور مهدي رزق الله احمد، ۱۹۹۲م، السيرة النبوية في ضوء المصادر الاصلية، مرکز الملک فيصل، الرياض، ص ۴۸۹
۲۸۔ المسند، حوالہ بالا، ۴: ۳۲۵، ۴۸۹
۲۹۔ ترجمان القرآن، حوالہ بالا، ۲: ۳۳۸، ۳۳۹
۳۰۔ القرآن، ۱۶: ۹۰
۳۱۔ ایضا، ۵: ۸
۳۲۔ الصحيح، حوالہ بالا، باب تحريم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ۶: ۱۲۰، ۱۲۱
۳۳۔ ایضا، حوالہ بالا، ۶: ۱۲۰، ۱۲۱
۳۴۔ القرآن الکریم، ۱۷: ۲۳، ۲۴
۳۵۔ الصحيح، حوالہ بالا، باب تقديم الوالدين علي التطوع بالصلاة وغيرہ، ۱۶: ۱۰۹
۳۶۔ القرآن الکریم، ۴: ۳۶
۳۷۔ الجامع الصحيح، حوالہ بالا، باب فضل من يعول يتيما، ۴: ۳۷
۳۸۔ يحيٰ بن شرف النووي، ۱۹۸۹م، رياض الصالحين، قديمي کتب خانہ، کراچي، باب النهي عن سوء الظن بالمسلمين من غير ضرورة، ص ۴۶۸
۳۹۔ الجامع الصحيح، حوالہ بالا، باب صفة النبي صلي الله عليہ وسلم، ۲: ۱۸۵
۴۰۔ محمد بن عيسيٰ الترمذي ابو عيسيٰ، ۱۹۹۸م، الجامع الکبير، دار الغرب الاسلامی، بيروت، باب ماجاء في حسن الخلق، ۳: ۵۳۶
۴۱۔ الجامع الصحيح، حوالہ بالا، باب من الايمان ان يحب لاخيہ ما يحب لنفسہ، ۱: ۱۰
۴۲۔ القرآن، ۳۳: ۲۱
۴۳۔ ایضا، ۶۸: ۴
۴۴۔ الجامع الصحيح، حوالہ بالا، باب صفة النبي صلي الله عليہ وسلم، ۲: ۱۸۴
۴۵۔ المسند، حوالہ بالا، ۶: ۱۹
۴۶۔ القرآن، ۲۰: ۱۱۵
۴۷۔ ایضا، ۷: ۲۳
۴۸۔ الجامع الصحيح، حوالہ بالا، باب حديث الافک، ۳: ۲۸
۴۹۔ القرآن، ۷: ۱۲